GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

A Brief Analysis of Modern Urdu Nazm and Linguistic Structures

جدید اردو نظم اور لسانی تشکیلات: ایک مختصر تجزیہ

Dr. Saima Sajjad
PhD Northern University Nowshera
Dr.Parveen Kallu
Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad,
drparveenkallu@gcuf.edu.pk
Saddique
Lecturer Urdu Department University of Swabi

Abstract

The revolution of Urdu Nazm refers to the significant transformations and developments that took place in this form of poetry over the years. It was heavily influenced by Persian poetry, with many poets adopting Persian forms, themes, and literary devices.Poets like Mirza Ghalib and Momin Khan Momin experimented with new forms, such as the ghazal and the nazm. Faiz Ahmed Faiz, Josh Malihabadi, and Majaz were influenced by Marxist and socialist ideologies, which reflected in their poetry.Then Urdu Nazm began to focus on social justice, equality, and freedom, with poets using their work as a form of resistance against colonialism and oppression. Ahmed Faraz, Parveen Shakir, and Iftikhar Arif experimented with new forms, language, and themes, pushing the boundaries of traditional Urdu Nazm.thats why Urdu Nazm began to explore themes of individualism, personal freedom, and existentialism. In Contemporary Trends Urdu Nazm became more diverse, with poets exploring a wide range of themes, styles, and forms.its also Increased Focus on Identity, Culture, and Politics. Contemporary Urdu Nazm often engages with issues of identity, culture, and politics, reflecting the complexities of modern life. The revolution of Urdu Nazm has been shaped by various social, cultural, and literary factors, transforming it into a rich and dynamic form of poetry that continues to evolve and thrive.

Key Words: Urdu Nazm, Persian Poetry, Mirza Ghalib, Momin Khan Momin, Faiz Ahmed Faiz, Josh Malihabadi, Culture and Politics, Social justice, Equality and freedom, Contemporary Trends Individualism, Personal freedom, Existentialism, Literary Factors, Dynamic form of poetry.

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

نئ شاعری معاشرے میں جنم لینے والے نئے انکشافات اور نئ مشکلوں کو فرد کی ذات سے ہم آہنگ کر کے اپنا خاکہ ترتیب دیتی ہے۔ معاشرے میں ہر دم متغیر ہوتی صورت حال اظہار نئ شاعری کی صورت میں ممکن ہوا ہے۔ یہ تحریک تقسیم ملک کے بعد ۶۰ - ۱۹۵۸ء کے لگ بھگ زور پکڑتی ہے۔ تقسیم ملک کے بعد داخل اور خارجی کوائف نے ایسا انسان تخلیق کیا جو ذہنی انتشار کا شکار ہے۔ نے فرد کی دنیا جس کرب سے تشکیل پاتی ہے اُس میں عدم تکمیلیت کا احساس فزوں تر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نئ شاعری فرد کی شناخت کے مسئلے کو اٹھاتی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد سماجی بے انصافی اور معاشرتی بگاڑ نے نظم میں جو صورت پیدا کی اس کا اظہار کبھی رد عمل اور کبھی مزاحمت و گریز کی صورت میں سامنے آتا رہا۔ عدم استحکام اور طبقاتی جبر کا دور طویل سے طویل تر ہوتا رہا۔ آزادی سے ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء تک آئینی تعطل اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والی نئ پود کی زمینی تسکین کے لیے جس نئے لسانی لہجے کی ضرورت تھی وہ کلاسیکی شاعری میں ملنے سے قاصر تھا یہی وہ عناصر تھے جنہوں نے نظم میں بے اطمینانی، خوف، احساسات کی توڑ پھوڑ، خوابوں کی شکست وریخت اور خارج سے منقطع ہو کر باطن میں آسودگی تلاش کرنے جیسے عوامل کی نظم میں پذیرائی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو جدیدیت، منطقی اثباتیت اور موجودیت نے زور پکڑنا شروع کر دیا اور دوسری طرف بعض شاعروں نے روایتی شاعری کے ڈھانچے کو ناکافی قرار دیتے ہوئے روایتی اصولوں سے انحراف کیا، اور نئ لفظیات نے نئ تمثال کاری کی بنیاد رکھی۔ اسے لسانی تشکیلات کی تحریک کہا جاتا ہے۔ انیس ناگی 1960ء تک کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ۱۹۶۰ء تک پاکستانی اردو شاعری ملے جلے رجحانات کی حامل تھی۔ ابھی تک یہ ماضی کی یادوں اور آدرشوں سے بوجھل تھی۔ اس میں احساس زیاں بھی تھا اور ایک مبہم سی امید کی فضا بھی دکھائی دیتی تھی۔۔۔ اس عہد کی شاعری جدید ہوتے ہوئے بھی جدید نہیں تھی کیونکہ اس میں کلاسیکی اور نو آبادیاتی آب وہوا کی مہک تھی۔ ان کی شاعری کے اندرونی سٹرکچر میں بہت کم تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔۔۔ کیونکہ ۴۷ سے پہلے اور قدرے بعد کی نسل کے مزاج میں کلاسیکی مزاج رچا ہوا تھا۔۔۔ لسانی سطح پر وہ ابھی تک غزل کی لغت میں نظمیں لکھ رہے تھے۔ لفظوں میں بیانیہ اور واقعاتی رنگ غالب تھا۔ زبان کا استعاراتی استعمال معنی کو ایک ہی سطح پر محدود لکھتا تھا۔"(۱)

قیام پاکستان کے بعد فیض مقبول ترین شاعر تھے۔ ن م راشد ملک سے باہر ہونے کی بنا پر نظم کے پردہ پر کم کم دکھائی دے رہے تھے۔ میراجی کا کلام بکھرا ہوا تھا۔ رومانی شعرا کی شاعری وقت کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر تھی۔ احمد ندیم قاسمی اور ظہیر کاشمیری انقلابی اور مثبت تبدیلی کا خواب نظم میں سمونے کی کوشش کر رہے تھے۔ حلقہ ارباب ذوق بھی فعال کردار ادا کرتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

مجید امجد وزیر آغا اور قیوم نظر شاعری کر رہے تھے لیکن ارد گرد سے بے پروا ہو کر سماجی و سیاسی حالات سے قطع نظر نظمیں لکھ رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان شعراء کی شاعری جدید ہوتے ہوئے بھی جدید نہ تھی۔ یہی وہ عوامل تھے جو نئی نظم اور نئی شاعری کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ ان میں سے کچھ شعراء ترقی پسند تحریک سے نظریاتی طور پر منسلک دکھائی دیتے ہیں۔ طارق ہاشمی نئی نظم کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''نئی نظم کے شعراء نے اگرچہ معاشی افکار کو نظر انداز نہیں کیا اور سماج کے اقتصادی مسائل کو اپنی نظم کے فکری نظام کا حصہ بنایا۔ تاہم اختر حسین جعفری، ساقی فاروقی، صفدر میر، آفتاب اقبال شمیم اور جاوید شاہین نے ترقی پسند فکر سے باقاعدہ وابستگی ظاہر کی۔ ان شعراء نے بائیں بازو کے نظام خیال کو اپنی تخلیقات کا ایک غالب حصہ بنایا اور معاشرے کے نچلے طبقے کے مسائل نظم کیے۔ یہ ظلم گو البتہ ترقی پسند تحریک کے نظریہ اسلوب کے قائل نہیں تھے اور بیاں کے نئے جمالیاتی رویوں کو قبول کرتے ہوئے رموز علائم کے تازہ قرینوں کے ساتھ سماجی و معاشی موضوعات کو برتا۔''(۲)

پاکستان بننے کے بعد حلقہ ارباب ذوق، ترقی پسند تحریک اور لسانی تشکیلات کی تحریک پاکستانی ادب کے تخلیقی سرمائے میں یہ یک وقت اضافہ کر رہی تھیں۔ ان تحریکوں کے ساتھ ساتھ کچھ غیر وابستہ شعراء جو قیام پاکستان سے پہلے ہی شاعری شروع کر چکے تھے، عوام میں مقبولیت حاصل کر رہے تھے۔ ان میں منیر نیازی، مجید امجد مصطفی زیدی اور ن۔ م راشد شامل ہیں۔ یہ شعراء ملکی مسائل کو اپنی نظم کا موضوع بنانے کے ساتھ ساتھ تہذیبی آبیاری کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں:

> ''پاکستانی نظم نگاروں نے ملکی قومی اور کائناتی مسائل کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا اور اپنے گہرے تہذیبی شعور، تخلیقی آگاہی، عرفان ذات، جدید طرز احساس، عمیق مطالعے و مشاہدے اور مزاج کی موزینت کی وجہ سے اسے نقطہ کمال پر لا کھڑا کیا۔ ہمارے ہاں قیام پاکستان کے بعد میں تو روایتی نوعیت کی نظمیں تخلیق کی گئیں جو سادہ پیٹرن کی حامل نہیں اور ہر لحاظ سے اکہری ہیں مگر بعد ازاں ہمارے ہاں تہہ دار معنیاتی پیٹرن کی حامل نظموں کی تخلیق کا آغاز ہوا تو یہ سلسلہ پھیلتا ہی چلا گیا۔''(۳)

نئی شاعری کی تحریک اصل میں نئی نظم کی تحریک تھی۔ یہ تحریک کسی نہ کسی صورت میں غزل کی مخالفت کرتی دکھائی دیتی ہے۔ عقیل احمد صدیقی نے اس موقف کی تائید کی ہے کہ 1935ء کی نسل سے انحراف کے نتیجے میں جو ادبی رجحان سامنے آیا اسے جدیدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس نئے رجحان کے تحت لکھی جانے والی شاعری جدید یا نئی شاعری کہلاتی ہے۔ اس تحریک کے لیے کوئی باقاعدہ منشور واضح نہیں کیا گیا۔ جیلانی کامران، افتخار جالب، انیس ناگی اور تبسم کاشمیری نے اس تحریک کے زیر اثر نہ صرف

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

شاعری کی نظمیں لکھیں بلکہ مضامین بھی تحریر کیے۔ان مضامین میں انہوں نے قدیم شاعری اور طرز شاعری کو مسترد کر دیا اور وقت کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ناکافی خیال کیا۔ ۱۹۶۰ کی دہائی کے بعد اردو نظم کے منظر نامے پر موضوعاتی اور فنی دونوں اعتبار سے بڑی تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئیں۔ شعراء نے نئے سانچے اور نئی شعری جہتیں وضع کرنا شروع کر دیں۔ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں کہ :

> ''ساٹھ کی دہائی میں جو نسل سامنے آئی اس نے خود کو اعلانیہ غیر نظریاتی کہا۔ شاعری میں بھی جو افسانے کے مقابلے میں داخلی احساسات کی زیادہ ترجمان ہوتی ہے۔ داخلیت پسندی گہری ہو کر نفسیاتی دروں بینی اور دوسری ذات کی تلاش کی محرک ہوتی نئی لسانی تشکیلات، استعارہ سازی کا نیا تصور، علامت و تجرید کی بحثیں موضوعات پر حاوی رہیں۔۔۔۔ایک حوالے سے دیکھا جائے تو یہ دہائی ترقی پسند تحریک کے رد عمل کا زمانہ ہے۔ موضوعات کا دائرہ سمٹ گیا اور ہیت و تکنیک اور اسلوب و اظہار کے نئے نئے تجربوں کی راہیں کھلیں۔(۴)

اپنی تمام تر جدیدیت کے باوجود یہ تحریک عوام میں قبول عام حاصل کرنے سے قاصر رہی۔اس کی اہم وجہ ابہام کا پایا جانا ہے۔ عام آدمی نئی نظم کو سمجھنے سے قاصر دکھائی دیتا ہے۔ بعض نقاد نئی شاعری کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نامقبولیت کی توجیحات بھی پیش کرتے ہیں۔ سلیم احمد نئی شاعری کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی نامقبولیت کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔

> ''نئی شاعری سے میری مراد وہ نظمیہ شاعری ہے جو میراجی اور راشد سے شروع ہو کر افتخار جالب اور پھر وہاں سے نیچے اتر کر پروز پوئم تک پہنچتی ہے۔اس کی نامقبولیت کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ نہ صرف معاشرہ کی اکثریت کی سمجھ میں نہیں آتی بلکہ پڑھے لکھے لوگوں کی کثیر تعداد یہاں تک کہ ان لوگوں کا بھی ایک بڑا حلقہ جو خود شاعری کرتے ہیں اس شاعری کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔اس شاعری میں وہ جانے پہچانے انسانی عناصر غائب ہو گئے یا کم ہو گئے ہیں جو مواد کی حیثیت سے شعر و شاعری سے لطف اندوزی کی ایک لازمی شرط کے طور پر تمام مقبول شاعری میں موجود رہتے ہیں۔ اور جن کی عدم موجودگی نئی شاعری سے لوگوں میں دل چسپی پیدا نہیں ہونے دیتی۔اس بنا پر نئی شاعری نہ صرف یہ کہ کل نامقبول تھی یا آج نا مقبول ہے بلکہ آئندہ بھی نامقبول رہے گی''(۵)

نیا شاعر شاعری کو اجتماعی خیالات کے کورس کی بجائے انفرادی تخلیقی عمل سمجھتا ہے یعنی تخلیقیت اور تجربہ کو نئی شاعری کی اساس سمجھا جاتا ہے۔ نیا شاعر داخلیت و خارجیت کو الگ الگ دیکھنے کا قائل نہیں بلکہ ان دونوں کو بیک وقت شاعری کے لیے لازمہ خیال

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

کرتا ہے۔یوں نئی شاعری نئے رجحانات کی نمائندگی تو کرتی ہے مگر اس میں وہ جاذبیت پیدا نہیں ہو سکتی جو شاعری کی روایت کا خاصہ رہی ہے۔ نئی شاعری پر تنقید کرنے والوں میں ایک نام جمیل ملک کا بھی ہے وہ اپنی کتاب ادبی منظر نامے'' میں لکھتے ہیں کہ :

''یوں دیکھا جائے تو یہ نئی شاعری جدید رویوں کی نشاندہی تو کرتی ہے مگر اس زندہ فکر کی نمائندگی کرنے سے ابھی تک قاصر ہے جو قوموں کی حیات نو بن جایا کرتی ہے۔۔۔ عجیب و غریب غیر مانوس الفاظ کی تلاش، قافیوں اور ردیفوں کی آورد کی مرہونِ منت دریافت، داخلی استعاروں اور علامتوں کی خارجی حقائق سے لاتعلقی اور فن کاروں کی اپنی ذات کے پاتال میں غرقابی سے بسا اوقات یہاں تک گمان ہونے لگتا ہے کہ یہ شاعری ہے یا نا شاعری(٦)

نئی شاعری کے زیر اثر لکھی گئی نظموں میں عنوان کی اہمیت بڑی حد تک کم ہو گئی۔اس سے پہلے جو نظمیں لکھی جاتی تھیں وہ عنوان شدہ ہوتی تھیں اور اس عنوان کے دائرہ کار میں رہ کر شاعر اپنا تخلیقی اظہار کرتا تھا۔ نئی نظم فرد واحد کی قائدانہ صلاحیت اور ہیرو ازم کو بنیاد بناتی ہے اور یہ ہیرو اساطیری اور مافوق الفطرت عناصر سے لبریز کوئی ناقابل تسخیر انسان نظر آتا ہے۔وزیر آغا نئی نظم کے انسان پر اظہار خیال کرتے ہیں کہ :

''نئی شاعری کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس نے بیسویں صدی کے مفرد فرد یعنی Individual کے ذریعے اپنا اظہار کیا ہے نہ کہ جماعتی فرد۔۔۔جو بیسویں صدی کی روح کو اپنی تخلیقی اپج سے ایک انوکھی تخلیق میں منقلب کرنے پر قادر ہے۔''(٧)

مثال کے طور پر بیسویں صدی میں تذبذب ہے یعنی مسائل کی فراوانی ہے۔ صنعتی اور زرعی انقلاب کے باعث ذہنی انتشار نے ہیرو ازم کی سینس کو ابھارا ہے۔

''یہ تلاش خالص مادی سطح پر اس پہلوان نما فرد کے تصور میں ابھری ہے۔جو یورپی فلموں میں Secret Agent کے لباس میں نمودار ہوا ہے۔ یہ ہیرو اساطیر کے ہیرو سے کسی طور بھی کم نہیں۔''(٨)

ساٹھ کی دہائی میں جدیدیت یعنی نئی شاعری کے نمائندہ شعراء افتخار جالب، جیلانی کامران اور انیس ناگی نے لسانی تشکیلات کے نظریے کو بھرپور انداز میں پیش کیا۔اس دور کے شاعروں نے ٹکڑوں میں بٹے ہوئے شہری انسان کے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ان میں سے زیادہ تر شعراء نے آزاد تلازمہ خیال اور شعور کی رو کے تحت نظمیں تخلیق کیں۔انیس ناگی اور تقسیم کاشمیری طویل عرصے تک شاعری کرتے رہے باقی تمام شعراء اور کچھ عرصے میں ہی نظم کے منظر سے غائب ہو گئے۔

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

ب- لسانی تشکیلات: مفہوم اور تجدید نو

ساٹھ کی دہائی کے بعد اردو نظم کے مروجہ ہئیتی اور لسانی سانچوں کی شکست وریخت پر اصرار کرتے ہوئے استعاراتی پہلو کو اہمیت دی جانے لگی۔ افتخار جالب جیلانی کامران اور انیس ناگی اس تحریک کے روح رواں تھے۔ ساٹھ کے بعد لکھی جانے والی شاعری یعنی نئی شاعری کے جدید نظم گو شعراء نے بھی روایتی ڈکشن سے انحراف کرتے ہوئے لسانی اور فکری جکڑ بندیوں سے آزادی پر اصرار کیا۔ اسے لسانی تشکیلات کی تحریک بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایوب ندیم کے بقول؛

> ''ان شاعروں نے شہری زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا اور اسلوب میں اشاریت اور ابہام کے ساتھ زبان کے نئے سرے سے تشکیل پر زور دیا(۹)

ان شعراء نے فکری اعتبار سے انسان اور کائنات کے متعلق نئے نظریات کو متعارف کرایا۔ ان کا خیال تھا کہ انسان اور کائنات کی روایتی تعبیریں مغالطے کا نتیجہ ہیں لہذا اس دہائی کے شعراء نے اپنے حواس اور تجربے پر اعتماد کرتے ہوئے زندگی کی ماہیت اور حیثیت پر انحصار کرنے کے لیے اپنے ادراک سے رہنمائی حاصل کی۔ ان شعراء نے معاشرے میں ابھرتے ہوئے مسائل، خوف، تنہائی اور آدمیت کے فقدان کو موضوع نظم بنایا۔ لسانی تشکیلات میں سب سے اہم نام افتخار جالب کا ہے۔ انہوں نے جدید اردو نظم میں جدید نظریہ سازی کی بنیاد رکھی اور لسانی تشکیلات سے کام لیتے ہوئے جدید نظم کو نئے لکن اور آہنگ سے روشناس کرایا۔ یہ مخصوص طرز سخن زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا لیکن یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ۶۰ء کی دہائی کے بعد لکھی جانے والی نظم پر افتخار جالب کے نظریات چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، بہت سے شعراء نے ان کی تقلید میں جدید نظم کے روایتی سانچوں سے انحراف کرتے ہوئے لسانی و فکری بندشوں سے آزادی حاصل کی۔ یہ دور فرد کی مابعد الطبیعاتی سے انحراف اور عقلی و منطقی تجربات کی بالاتری کا دور تھا۔ افتخار جالب اور ان کے معاصرین نے نئی شاعری کے لیے زبان کے استعاراتی پہلو پر اصرار کرتے ہوئے امیجری کے استعمال پر زور دیا وہ خود لکھتے ہیں کہ :

> ''اس ادب کی بیتی ساخت پر داخت بڑی شدت سے اپنے کل کی اکائی کو تجز کرتی ہے۔ تاکہ استعارہ اپنے زمان و مکان کی حد بندی توڑ کر غیر معروضیت کا اثبات کرتے ہوئے تجرید سے ہم کنار ہو۔''(۱۰)

اپنے نظریات میں شدت پیدا کرنے کے لیے اور دلائل دینے کے لیے انہوں نے ایلیٹ کے تصورات سے استفادہ کیا۔ خاص طور پر ایلیٹ کا نظریہ " معروضی تلازمہ (Objective Correlative) کو بھی ادبی فن پارے کی بنت میں اہم اکائی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ افتخار جالب کا لسانی تشکیلات کا تجربہ ان بہت سے تجربات کا حاصل تھا جنہیں مغرب میں ایک عرصے تک قبولیت حاصل رہی لیکن شاعری میں یہ تجربہ دور رس اثرات مرتب نہ کر سکا۔ اس کی اہم وجہ بہت سے شاعروں میں اس تخلیقی اپج اور متخیلہ کا فقدان تھا

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

جو کہ جیمس جوائس کی تحریروں میں نظر آتی تھی۔افتخار جالب کی پہلی کتاب ماخذ ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی اس میں ان کا تحریر کردہ دیباچہ نی شاعری کے مینی فیسٹو کی حیثیت رکھتا ہے۔انیس ناگی اس دیباچے کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

> ''اول یہ کہ اس کے تجربات کا میلان ایک نئے اسلوب زیست سے جنم لیتا ہے، دوم یہ کہ وہ ان تجربات کی شناخت نئے لسانی رابطوں کی صورت میں کرتا ہے، سوم یہ کہ شاعری میں افہام کے تجزیاتی وسائل سے انحراف ضروری ہے، چہارم یہ کہ مروجہ شعری زبان پر تشدد کر کے پرانی لسانی حرفتوں کی شکست وریخت ضروری ہے۔(۱۱)

افتخار جالب مغرب کی چندھیا دینے والی سحر زدگیوں سے بچنے کے لیے ہمارے سامنے کئی عبرت ناک مثالیں لے کر آتے ہیں، خاص کر پردیس میں مشینوں کا رزق بن جانے والے مجبور انسانوں کی نوحہ گری نئے آہنگ کے ساتھ لے کر آتے ہیں کہ قاری کا دل لرز کر رہ جاتا ہے۔افتخار جالب کے آخری شعری مجموعہ '' یہی ہے میرا لحن'' اس وقت کی عصری صورت حال کی واضح تصویر کشی کرتا ہے۔ سامراجی طاقتوں کے پنجوں میں مقید ترقی پذیر ممالک مخلوط کلچر کے ذریعے اقدار کی پامالی، نارسائیت، مختلف زبانوں کو لاحق خطرات اور کچھ عبرت انگیز واقعات اس مجموعے کی نظموں کے موضوعات ہیں۔ان کی ایک نظم '' زیست کا کوراملبہ ایسے ہی عبرت ناک واقعات کو سامنے لاتی ہے:

شیر بکری کے نئے گھاٹ دوارے، ارے
ورلڈ آرڈر کے بہیمانہ طلسمات نے ڈیرے ڈالے
ہم تہی دست تو پہلے ہی سے تھے دیکھیے مشروم فیشن
شیر و شکر ہوتی زبانوں کا لحن قربت و لاچاری کا لنگوا کچرا
ٹاکسک ویسٹ میں تبدیل کیے دیتی ہے، تاحد نگہ زیست کا کوڑا ملبہ
ہیروشیما کے دم عیسی ہر لحظہ نیا کن فیکون
(۱۲)

افتخار جالب کے ہاں عہد رفتگاں کا دکھ نہیں ملتا،ان کے خیال میں صنعتی دور کا آدمی اخلاقی جکڑبندیوں میں زندگی نہیں گزار سکتا اور وہ ان اخلاقی و تہذیبی اقدار سے دامن چھڑا کر اپنی ساخت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا ہے۔ڈاکٹر ساجد امجد اس حوالے سے رقمطراز ہیں کہ :

> ''نئی نسل کی بے ترتیبی، جنسی گھٹن، نظام اخلاق، سماجی رابطوں کی بے ربطی ان کی نظموں میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ان کی نظمیں شدید مفاہمت سے پیدا ہوتی ہیں وہ صنعتی نظام سے

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

لڑتے نہیں خود کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں، اس کے عیب و ثواب سمیت، ان کے نزدیک مابعد الطبیعاتی ڈھانچے ابھی تک معاشرے میں موجود ہیں اس لیے وہ معاشرے کی عکاسی کی خدمت سے خود کو سبکدوش کر لیتے ہیں اور داخلیت کی حمایت کرتے ہیں۔"(۱۳)

افتخار جالب کا دوسرا شعری مجموعہ لسانی تشکیلات اور بنجر قدیم ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔ آدھی کتاب مضامین پر مشتمل ہے۔ اور باقی آدھی طویل نظم بنجر قدیم اور دوسری نظمیں شامل ہیں۔ مشکل پسندی ان کی نظم کا لازمی جزو ہے۔ بقول انیس ناگی:

"افتخار جالب کی شاعری پر مشکل پسندی اور ابہام کے بہت سے اعتراضات کیے گئے ہیں۔ افتخار جالب ابہام کو لازمہ شعر تصور کرتے ہیں ان کے نزدیک منطقی شعر ہی صرف سریع الفہیم ہوتے ہیں۔(۱۴)

ڈاکٹر ضیاء احسن کتاب "جدید اردو نظم آغاز و ارتقاء" میں افتخار جالب کے اسلوب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"افتخار جالب کی زبان مشکل اور پیچیدہ ہے۔ انہوں نے اردو لفظیات میں مقامی اور بین الاقوامی زبانوں کے الفاظ تواتر سے استعمال کیے۔ جس کی وجہ سے ان کی قرآت مشکل ہو گئی۔"(۱۵)

۲۰ء کی دہائی کے اہم شعرا جنہوں نے لسانی تشکیلات کو اپنا اختصاص بنایا میں جیلانی کامران کا نام اہمیت کا حامل ہے۔

جیلانی کامران نے اپنے معاصروں کی طرح شہری زندگی کی پیچیدگیوں اور مسائل کو اپنی نظم کا موضوع بنایا۔ نیز اسلوب میں اشاریت اور ابہام کے ساتھ زبان کی نئے سرے سے تشکیل پر زور دیا۔ ان شاعروں نے لسانی تجربے کا جو تصور دیا، وہ بظاہر بڑا رومانی تھا لیکن عملی طور پر انہوں نے جس زبان کی داغ بیل ڈالی اس کے بارے میں ادبی حلقوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے انجم اعظمی رقمطراز ہیں کہ:

"افتخار جالب، جیلانی کامران، انیس ناگی اور رضا ترندی۔۔۔ اوٹ پٹانگ کو جدید سمجھتے ہیں ان کی مثال اس کسان کی سی ہے جو اناج کو کوڑے کرکٹ اور گھاس پھوس سے الگ کر کے پھینک دیتا ہے وہ کوڑے کرکٹ کو احتیاط سے رکھتا ہے اور اناج سے نفرت کرتا ہے۔"(۱۶)

"استانزے"، "نقش کف پا"، "چھوٹی بڑی نظمیں"، "دستاویز" ان کے اہم شعری مجموعے ہیں۔ انہوں نے معاصر نظم اور آزادی کے بعد برتے جانے والے مخصوص موضوعات سے ہٹ کر نظمیں لکھیں ہیں۔ ان کے معاصرین نے "استانزے" کی شاعری کو ہدف تنقید بنایا لیکن اس کے باوجود ان کی اولین شعری مجموعے کی کافی پذیرائی ہوئی۔ اس کی اہم وجہ ہی یہ تھی کہ اس میں شعری اظہار نیا

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

تھا۔"استانزے" کی نظموں میں خدا سے ہم کلامی کا تجربہ جگہ جگہ نظر آتا ہے جو بعد میں مستقل صورت اختیار کر لیتا ہے۔ان کی ابتدائی نظموں پر تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شاہین مفتی رقمطراز ہیں کہ :

"جیلانی کی ابتدائی نظمیں نئی لغت اور نئے استدلال کے استعمال کے باوجود نظم میں دائرے کی تقویم سے عاری ہیں۔شاعرانہ خیال کئی مقام پر ٹھوکر کھاتا ہے اور ابہام پیدا کرتا ہے۔"(۱۷)

فطرت نگاری جیلانی کامران کی نظموں میں جابجا نظر آتی ہے۔وہ مناظر فطرت کا ذکر کر کے اس دور کے انسان کے ذہنی کرب اور دکھ درد کا مداوا کرنا چاہتے ہیں۔مابعد الطبیعیاتی فکر رکھنے کے باوجود ان کی نظموں میں مسائل حیات کے بارے میں گہرا تاثر ملتا ہے۔ اسلامی اور مقامی تہذیب کا حوالہ بارہا ان کی نظموں میں نظر آتا ہے۔لیکن کہیں کہیں وہ بقول ڈاکٹر محسن عباس:

"اسلامی عجمی روایت کا ذکر بھی کرتے ہیں"۔(۱۸)

ان کا اسلوب منفرد اور لہجہ دھیما ہے۔مکالماتی انداز ان کی نظموں کی خاصیت ہے۔عباس جیلانی کامران کے اسلوب کے متعلق رقمطراز ہیں کہ :

"جیلانی کامران کی شاعری کی انفرادیت ان کا منفرد اسلوب خیال، جذبہ وجدان ، مابعد الطبیعاتی فکر ، نشاۃ الثانیہ کا احیاء، رجائیت، امید اور حسرت، اسلامی عجمی روایت اور اسلامی تہذیبی عمل ہی ان کی شاعری کی متاع ہے اور یہی ان کی شاعری کو دوام بخشتی ہے۔"(۱۹)

ان کے پہلے مجموعے میں موجود یہ نظم ان کے اسلوب کا بہترین نمونہ ہے :

جب میں فرہاد تھا، ہر کوہ تھا لرزاں لرزاں
کیا ہوا شیریں و پرویز نہ ہمراہ چلے
میں نے ہر سنگ گراں بار یہ لکھی دھڑکن
جس جگہ میرا لہو ٹپکا وہاں پھول کھلے

(۲۰)

ان کی نظموں میں عربی اور فارسی قافیہ پیمائی کا شعوری اظہار بھی ملتا ہے۔انہوں نے ہند اسلامی تہذیبی علامتوں اور اسالیب کو نظم کا حصہ اس دور میں بنایا جب نوجوان شعراء چونکا دینے والے رویوں اور اسالیب کو شاعری میں سمو رہے تھے۔ان کے کردار ان کی نظموں کو جہت عطا کرتے ہیں۔ابی نمبر نقش کف پا، بوڑھا استاد، زلیخا جیلانی کامران کی بہترین تخلیقی کاوشوں کی آئینہ دار ہیں۔

آئی ہوا سے موسم کی خوشبو
بلبل گل و خار، ناقہ و آہو

GUMAN
گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

گردش میں اک ہم، گردش میں اک تو

محمل پہ محمل، چہرہ بہ چہرہ

قربان لیلیٰ!

قربان لیلیٰ!

شہر ستم ہے وصل خزاں سے

خوشبو نجانے ایسے جہاں میں آئی کہاں سے

کیسی زمیں سے کس لامکاں سے؟

تیرے طلب گار

آئینہ بردار

اترے ہیں ظالم کس آسماں سے

رقصاں و گریاں

گریاں و رقصاں

صحرا بہ صحرا قربان لیلیٰ!

قربان لیلیٰ!)۲۱)

جیلانی کامران کا دوسرا مجموعہ "چھوٹی بڑی نظمیں" ۱۹۶۷ء میں منظر عام پر آیا۔اس مجموعہ میں ان کی نظمیں صرف ۱۴ ہیں جبکہ باقی نظمیں فاروق حسن کی لکھی ہوئی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ان نظموں کے ذریعے انہوں نے اردو شاعری میں انقلاب لانے کی کوشش کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ""چھوٹی بڑی نظمیں" لکھ کر اور اکٹھی کر کے ہم نے نئی اردو شاعری کو کتابی علم جھوٹے تجربے اور درآمد کی ہوئی ادھوری معلومات سے باہر نکال کر سیدھی سادی سچائیوں کے قریب لانے کی کوشش کی ہے۔"(۲۲)

یہ مجموعہ آزاد نظم کی ہیت میں لکھا گیا ہے۔تمثال نگاری کے ذریعے انہوں نے اپنے احساسات و تجربات کو پیش کیا ہے۔ماحول و معاشرت کا اثر ان کی نظموں میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔"نقش کف پا" طویل نظم ہے جس میں مختلف کرداروں کے ذریعے فرد اور اس کے ماحول کی اندرونی کشمکش اور مخالف قوتوں کے ساتھ ٹکراؤ کے ذریعے عہد حاضر کی مشینی و صنعتی زندگی کا راز فاش کیا گیا ہے۔ زوال پذیر تہذیبی معاشرے کی گوناگوں مصروفیات کی ایک جھلک دیکھیے:

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

''فائلیں افسر و ماتحت کی تلخی سن کے کام اور کاج کے اوقات، قیامت آفس، بیویاں اور خاک کی تقدیر، گھرانے بچے ہمیں دن موت کبھی خاک کبھی آگ کبھی اور بیچ اور بیچ کے ہے۔ بخشے ہوئے صدقے، پنشن بینک اور سود کی تفصیل، مصیبت، نقشے آمد اور خرچ کے آداب، روپے اور پیسے عمر کے اتنے کئی ایک سے تھے، اندھے قیمتی چیزیں ہیں۔''(۲۳)

''جیلانی کامران کا ایک اور کارنامہ اردو شاعری کو مصرعے کے تصور کے علاوہ شعری سطر (Poetic Line) کا تصور دینا ہے۔''(۲۴)

اردو شاعری میں تصدیق حسین خالد اور راشد کے ہاں آزاد نظم کی صورت میں نظم معری کا ارتقاء نظر آتا ہے۔ لیکن ان سب نے دو مصرعوں کو روایتی عروض کی پابندی کرتے ہوئے چھوٹا یا بڑا کیا لیکن جیلانی کامران نے پہلی مرتبہ ایک ہی مصرعے کو دو یا دو سے زیادہ سطروں میں تقسیم کرنے کی روایت ڈالی۔ ان کے دیگر مجموعے ''نقش کف پا''، ''دستاویز'' اور طویل نظم ''باغ دینا'' ''جدید اردو نظم کے فروغ میں فنی پختگی کا نادر نمونہ ہیں۔

افتخار جالب اور جیلانی کامران کے بعد لسانی تشکیلات کے حوالے سے جو اہم نام سامنے آتا ہے وہ انیس ناگی کا ہے۔ انہوں نے نثر اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہوئے ایک طرف تو نثر میں ایسے مضامین لکھے جنہوں نے نئی شاعری کو منطقی جواز عطا کیا اور دوسری طرف نظموں میں ایسا اسلوب استعمال کیا جس میں لسانی بندشوں کی توڑ پھوڑ کا عمل افتخار جالب کی نسبت کم شدید تھا۔ انہوں نے آزاد اور نثری نظم کو آزاد نظم سے علیحدہ کرنے کے لیے نثری نظم کو طویل جملوں اور پیرا گراف کی شکل میں لکھا۔ افتخار جالب کا مطمع نظر لسانی تشکیلات تھیں مگر انہی کے ہاں احساسات نظر آتے ہیں۔ انیس ناگی نئے دور کے لیے نئی احساس تشکیلات کی کھوج میں تھے۔ انیس ناگی کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں کہ :

''انیس کی شاعری ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ اپنا خاکہ تیار کرتی ہے۔ تقسیم کے بعد ملکی سیاست کے دگرگوں حالات اور بین الاقوامی فکری انتشار پیدا ہونے والے، داخلی، ذاتی کوائف نے مل کر ایک ایسا معاشرتی انسان تخلیق کیا تھا جو بکھرا ہوا، کٹا پھٹا ہتھیکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر انیس ناگی کا انسان جس دنیا کا باشندہ تھا۔ اس میں انسان اور کائنات کا مطمع نظر وسیع اور بڑی سرعت سے متغیر ہو رہا تھا۔ فرد ہراساں تھا کائنات کی قوت اسے خوفزدہ کر رہی تھی۔ وہ اپنی بنیادیں کھو چکا تھا۔۔۔ نئے فرد کی دنیا ایک ایسے کرب اور دکھ سے تشکیل پاتی ہے جس میں اسے اپنے نامکمل ہونے کا احساس بڑا شدید ہے۔ اس فرد کا کوئی آدرش کوئی خواہش اور کوئی احساس مکمل نہیں۔ انسانیت، صارفیت، نارسائی اور غیر مختتم ذاتی اغراض اور اشیاء پرستانہ نظام کی زد میں آکر

GUMAN گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اپنے طے شدہ منزلیں گم کر چکی ہے۔۔۔ان کی تخلیقات اپنی تہذیبی شخصیت اور اپنے عہد کے مسائل و معاملات کا بخوبی احاطہ کرتی ہیں۔"(۲۵)

انیس ناگی کے کلیات کی ابتدائی نظمیں مذکورہ دور کی انسان کی بے بسی، کم مائیگی اور داخلی کرب کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کی شاعری کا اصل موضوع تنہائی، اُداسی، کرب اور عدم توجہی ہے۔" نار سنگھ کی آوازیں" میں انہیں ایسے ہی فرد کا نوحہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کس کو خبر ہے ہم سب ادنیٰ حقیر کیڑے تعمیر کے قرینے میں مدتوں سے شامل اک دن یونہی ہوا کے پھیلے خلا میں آکر دم توڑنے سے پہلے بے مائیگی کے ماتم میں الوداع کہیں گے

گمنام ہم ہیں کوئی بھی نام تک نہیں ہے
اس سمت جا رہے ہیں پیغام تک نہیں ہے
ہم خاک میں بسے ہیں(۲۶)

انیس ناگی کے کلیات میں نوحہ کے نام سے ۸ نظمیں بھی موجود ہیں۔ جو مادہ پرست مشینی انسانوں کا نوحہ ہیں جو زر کی ہوس میں پاگل پن اور جنون میں مبتلا ہجوم میں تبدیل ہو کر ایک دوسرے پر ہمہ وقت آگ پھینکنے میں مصروف کار ہیں۔ نظمیں در حقیقت ایسے انسان کی روداد ہیں جو ترقی پذیر محکوم ممالک کا بھکاری باشندہ ہے انیس لکھتے ہیں:

"وہ ان کی تاریخ محکومی میں ہے، وہ ایک دوسرے سے متصادم وہ مہذب اور عیار دریوزہ گر جن کی کشکول کا پیٹ پھول چکا ہے، اور جن کی عورتیں نسل کشی سے عاجز اور ان کی اولاد زر کی تلاش میں نت نئے فتنے جگا رہی ہے اس کہرام میں، اس ابتری میں دید و دل کے سب قرینے مسمار ہو چکے ہیں۔۔۔"(۲۷)

در حقیقت یہ نوحے انفرادی شکستگی کے عکاس نہیں ہیں بلکہ تہذیبی نوحے ہیں۔ نوحہ نمبر ۱۸ میں ناگی لکھتے ہیں کہ:

"اور ہم ازلی اجنبیت کا مقسوم لیے، اپنی اولاد کو بے ثمر زمانے کا مشروہ دیتے ہوئے، ایک کھوئی ہوئی صدا کی طرح تمام موسموں میں تمام عارضی سلطنتوں کے راستے سے گزرتے ہوئے، زیر لب آخری نوحے میں ڈھلتے جاتے ہیں۔۔۔"(۲۸)

انیس ناگی کا المیہ یہ ہے کہ وہ ناسور زدہ بیمار معاشرے میں منافقت اور سمجھوتے سے راضی بہ رضا رہنے کی بجائے اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے۔ وہ اس بیمار نظام میں تبدیلی کا خواہاں ہے۔ ڈاکٹر شاہین مفتی ان کی نظموں میں موجود فرد واحد کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

GUMAN
گمان
VOL 8, ISSUE 1, 2025
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

"انیس ناگی کی شاعری کا فرد واحد اداس مضمحل، زندگی سے کٹا ہوا، ناکام، پریشان، ہراساں، بے زار، متشدد فرد دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس نظام کی منافقانہ روش کو تبدیل کر کے ایک ایسے منصفانہ نظام کی داغ بیل ڈالنے کا خواہش مند ہے جہاں آدمی خوف اور اضطراب کے شعوری دھچکوں سے محفوظ رہ سکے۔"(۲۹)

حوالہ جات

۱۔انیس ناگی، پاکستانی اردو ادب کی تاریخ، جمالیات ۲۰۰۴، لاہور: ص:۶۲

۲۔طارق ہاشمی، اردو نظم اور معاصر انسان، پورب اکادمی اسلام آباد:، ۲۰۱۵، ص: ۱۷۰

۳۔غفور شاہ قاسم، پاکستان ادب، (شناخت کی نصف صدی) راولپنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۰، ص: ۱۵۴

۴۔عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظریہ عمل ۱۹۳۶تا۱۹۷۰، یکن بکس لاہور ۲۰۱۴ ص: ۳۲۷

۵- رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب رویے اور رجحانات، پورب اکیڈمی لاہور ۲۰۱۰ : ۹

۶۔ جمیل ملک، ادبی منظر نامے، مقبول اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۶، ص: ۴۷

۷- وزیر آغا، تنقید اور مجلسی تنقید، القمر انٹر پرائزز لاہور: ، س۔ن- ص:۱۱۳

۸۔ایضاً، ص ۱۱۳

۹۔ایوب ندیم، ڈاکٹر بنی نظم قیام پاکستان کے بعد، مشمولہ: زبان و ادب، شمارہ ۱۲ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد: جنوری تا جون ۲۰۱۳، ص: ۲۸

۱۰۔افتخار جالب" بور زوانی بور ژوافی، مشمولہ: شب خون، سرمایہ بہاراں حصہ دوم، جون تا دسمبر ۲۰۰۵، ص ۵۴۷

۱۱- انیس ناگی، ڈاکٹر، نیا شعری افق، عبدالحق گل روڈ لاہور: ، ۱۹۸۹ص: ۱۰۵

۱۲۔افتخار جالب، یہی ہے میران، القادر پریس کراچی: ، ۲۰۰۵، ص: ۹۰-۸۹

۱۳۔ساجد امجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، : الوقار پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۳، ص:۵۱۶

۱۴۔انیس ناگی، پاکستانی اردو ادب کی تاریخ ص ۱۳۱

۱۵۔ضیاالحسن، ڈاکٹر، جدید اردو نظم آغاز وارتقاء، سانجھ پبلی کیشنز لاہور: ، ۲۰۱۲۰، ص:۹۶

۱۶۔انجم اعظمی، جدید نظم سے کیا مراد ہے، مشمولہ: اردو ادب کی فنی تاریخ، مرتب، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، الوقار پبلی کیشنز لاہور: ، ۲۰۰۳، ص: ۱۶۸

۱۷- شاہین مفتی ڈاکٹر، جدید نظم مشمولہ اردو ادب کی فنی تاریخ، مرتب: فرمان فتح پوری، ص:۴۰۳ ۱۸۔ محسن عباس، ڈاکٹر وزیر آغا کی نظم نگاری، مثال پبلی کیشنز فیصل آباد: ، ۲۰۱۴ : ۶۹

۱۹۔ایضاً، ص: ۷۰

۲۰۔جیلانی کامران، جیلانی کامران کی نظمیں،، ملٹی میڈیا آفیرز لاہور ۲۰۰۲ : ۵۰

۲۱۔ایضاً، ص: ۲۷۵

۲۲۔جیلانی کامران، چھوٹی بڑی نظمیں، کتابیات لاہور: ، ۱۹۶۷، ص: ۱۷

۲۳۔جیلانی کامران، جیلانی کامران کی نظمیں ہیں: ۷۸

۲۴۔لطیف قریشی، جیلانی کامران ایک مطالعہ، ملٹی میڈیا افیرز لاہور ۲۰۰۴ : ۲۷

۲۵۔سعادت سعید، ڈاکٹر، ابتدائیہ گوشتہ انیس ناگی، مشمولہ: راوی، شمارہ ۲۷، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور: ، ۱۹۹۵ء ص:۹

۲۶۔انیس ناگی، بیگانگی کی نظمیں، تخلیقات لاہور، ۲۰۰۰، ج: ۶۷-۶۶

۲۷۔ایضاً، ص: ۲۶۵-۲۶۴

۲۸۔ایضاً، ص: ۱۷۵

۲۹۔شاہین مفتی، ڈاکٹر، جدید اردو نظم میں وجودیت، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور: ، ۲۰۰۱، ص: ۳۷۳